© rasailojaraid.com

دعا

(ماہِ رمضان المبارک کے حوالہ سے خصوصی مضمون)

تحریر: محمود مرزا جہلمی چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ''صدائے مسلم''، جہلم

قرآن مجید میں اللہ باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بیشمار دعائیں تعلیم فرمائی ہیں اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی امت کو درجنوں کے حساب سے دعائیں تعلیم فرمائی ہیں۔

ان تمام دعاؤں پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی منشاء اور رضاء ہے کہ اسکی مخلوق اسکے دربارِ عالی میں ہمیشہ دستِ سوال دراز رکھے اور وہ اس پر اپنی عنایاتِ بے نہایت کی برکھا برساتا رہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ میں اپنی جوتی کا تسمہ بھی اپنے پروردگار سے مانگتا ہوں۔ حضور اقدسؐ نے دعا کو عبادت کا مغز فرمایا ہے جسے علم درکار ہو وہ ﴿رب زدني علماً﴾ پڑھے۔ جسے اولاد کی خواہش ہو وہ ﴿رب هب لي من الصالحين﴾ اور ﴿رب لاتذرني فرداً وأنت خيرالوارثين﴾ کا وظیفہ کرے۔ جو بارش کا طالب ہو وہ (اللهم صيباً نافعاً) کا ورد کرے۔ جسے رزق کی کمی ہو وہ (اللهم إني أسئلك رزقاً واسعاً) پکارے۔ جسے جنت کی طلب ہو وہ (اللهم انی أسئلك جنة الفردوس) کہے۔ بیماری سے شفایابی کیلئے دعائیں بھی موجود ہیں۔ ایسی ایسی رقت انگیز دعائیں بتائی گئی ہیں کہ جنہیں سن کر رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور بیماروں او مضطروں کو شفا اور سکون سے نہال کر دیتی ہے۔

شاید ہی انسانی زندگی کی کوئی ایسی ضرورت یا تمنا ہو جس کی طلب کے واسطے دعا نہ سکھائی گئی ہو۔ شاید آپ نے کبھی سوچا ہو کہ اتنی دعائیں کیوں سکھائی گئی ہیں۔ اس میں پوشیدہ حکمت بڑی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اس کا بندہ جلدباز اور جھگڑالو ہے۔ مصیبت پڑے تو فوراً ہمت ہار دیتا ہے۔ احتیاج ستائے تو فوراً ناشکری پر اتر آتا ہے۔ اس حالتِ اضطرار میں یہ امکان موجود ہے کہ مبادا وہ اس کے دروازے سے ہٹ جائے اور اپنی مشکلات کے حل کے لئے کسی دوسرے دروازے پر دستک دے بیٹھے۔ چنانچہ اسے یہ بھی سکھایا (واغنني بفضلك عن من سواك) اے اللہ! مجھے اپنے کسی بھی سوا یعنی غیر اللہ سے بے نیاز کر دے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ اور سلیقہ پیدا فرما کہ میں تجھی سے مانگوں، اگر کم فہمی کی وجہ سے میں بعض پوشیدہ حکمتوں کو نہیں سمجھتا اور جو چیز مانگتا ہوں وہ میرے حق میں خیر نہیں ہے اور مجھے وہ نہیں ملتی تو بھی مجھے اپنے ہی در کا سوالی رکھنا اور اپنے ماسوا کی طرف مجھے رخ نہ کرنے دینا، دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ میری ہر حاجت کو پورا فرما دے کہ مجھے غیر اللہ کی طرف جانے کا خیال بھی نہ آئے۔

قرآن مجید کی دعائیں زیادہ تر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی پاکباز بندوں یعنی انبیائے کرام علیہم السلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس کے دربار میں پیش کیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعائیں خود انہیں سکھائیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿فتلقیٰ آدم من ربه كلمت فتاب عليه﴾ (البقرہ: ۳۷) ترجمہ: "آدم علیہ السلام کو دعائیہ کلمات اللہ تعالیٰ نے القاء فرمائے"۔

ان تمام قرآنی اور مسنون دعوات کو پڑھیں تاکہ آپ جان سکیں کہ دعاء اللہ اور بندے کا معاملہ ہے۔ اسی لئے تمام دعائیں "ربنا، اللھم، یا رب" سے شروع ہوئی ہیں۔ گویا بندہ براہ راست اپنے خالق ومالک کو پکارتا اور اس کی خدمت میں اپنی التجا پیش کرتا ہے۔ اسی کے سامنے گڑگڑاتا ہے۔ کبھی اسے (يا حي يا قيوم برحمتك استغيث) کہہ کر اپنی فریاد اسے سناتا ہے۔ کبھی (يا أرحم الراحمين) کبھی (يارب العالمين) اور کبھی (يامجيب الدعوات) کے ترحم آمیز بلکہ ترحم انگیز خطابات والقابات سے اسے پکارتا ہے۔ تمام انبیائے کرامؑ نے اپنے اپنے دور میں اپنے رب کو پکارا اور ان کی ہر پکار کی ابتدا "ربنا، يارب، اللھم" سے ہوتی ہے۔ ان دعاؤں کے ذریعے یہ بتایا کہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندوں نے اللہ کو یوں پکارا تھا۔ ثانیاً یہ کلمات اللہ کو پسند آچکے ہوئے ہیں اور اسی لئے اس نے انہیں اپنے قرآن مجید اور اپنے پیارے نبی ﷺ کی حدیث کی صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا کہ اسکے بندے قیامت تک اس انداز اور ان الفاظ میں اسکے دربار میں اپنی معروضات پیش کرتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔

اہلِ ذوق توجہ فرمائیں۔ ایک بڑا ہی لطیف نکتہ دعاء میں مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گدا کی جھولی بھرنے کے ساتھ اس پر خوش بھی ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: ﴿ونحن أقرب إليه من حبل الوريد﴾ (ق: ۱۶) یعنی: "میں اپنے بندے کے بالکل ہی بلکہ اس کی شاہ رگ یعنی اسے اس کی اپنی ذات سے بھی قریب تر ہوں" اور ﴿أجيب دعوة الداع إذا دعان ......﴾ (البقرة: ۱۸۶) ترجمہ: "کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں"۔ اس جوادو کریم کا کتنا کرم اور کتنی جودت ہے کہ وہ بندے کو ہر حال میں اپنی نظرِ کرم کے سامنے رکھتا ہے۔ نہ سوتا ہے نہ اونگھتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ اسکا کوئی مضطرب بندہ اسے پکارے اور وہ اسکو جواب نہ دے سکے۔ اب اگر خود ہی وہ اس کریم کا در چھوڑ کر دوسرے دروازے کھٹکھٹانے لگ جائے تو اس کی اپنی بدقسمتی ہے، وہ اس کی اس حرکت پر اتنا ہی ناراض ہوتا ہے اور اسکی بدنصیبی پر اتنا ہی غضب ناک ہوتا ہے کہ اسے اپنے حلقۂ غلامی سے نکال دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے یہ کتنا کم ہمت اور کمبخت انسان ہے جو اس جیسے کریم کے دروازے سے خالی پھر گیا ہے۔ اسے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیسا بے عقل انسان ہے جو اس کے درِ سخا سے مایوس ہوکر اپنے ہی جیسے بندوں کو پکارنے لگ گیا ہے۔ دینے کو تو وہ اسے بھی دیتا ہی رہتا ہے، کیونکہ وہ کم عقل ہے تو ہے تو اس کی اپنی مخلوق ...... اور وہ اپنی مخلوق کا حاجت روا ہے، لیکن ایسے احمق انسان کو اپنے غلاموں کی فہرست سے نکال کر اس کی پیشانی پر بغاوت کی مہر لگادیتا ہے۔ اللہ رب العزت اُن پر خوش ہوتا ہے جو اس سے مانگیں، انہیں جھولیاں بھر بھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیتا ہے اور اپنے دفترِ عبودیت میں ان کے نام لکھ رکھتا ہے۔ گویا اپنے گداؤں سے وہ راضی رہتا ہے۔

اپنے ہی جیسے انسانوں سے مراد وہ ساری نوعِ انس و جن ہے، جسے حاجت روائی اور مشکل کشائی کے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ عام اس سے کہ تقویٰ کے لحاظ سے بندوں کو دوسرے بندوں پر فضیلت حاصل ہے یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ اندھا اور بینا برابر ہیں۔ متقی اور غیر متقی میں فرق ہے اور دربارِ الٰہیہ میں اس حوالے سے علیٰ قدرِ مراتب بعض کو بعض پر درجہ ہے۔ رہی حاجت روائی اور مشکل کشائی یا دیگر صفات و اختیارات الٰہیہ تو کیا متقی، کیا غیر متقی، کیا نبی، کیا غیر نبی...... کسی کو میسر نہیں ہیں اور یہ عقیدہ بنیادی طور پر نہایت ہی گمراہ کن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندگانِ صالح کو اپنے یہ اختیارات یا ان میں سے کچھ منتقل کر دیئے ہیں اور عطا کر دیئے ہیں اور جب ان نیک بندوں سے سوال کیا جائے تو دراصل یہ سوال اللہ ہی سے ہوتا ہے...... کیونکہ یہ اسی کے بندے ہیں اور اسی نے ان کو یہ طاقت دے رکھی ہے۔ یہ ساری باتیں زیادہ تر اسی فکر کا اثر ہے جو مجوسی اثرات کے ساتھ ایران کے راستے پہلے ترکی اور پھر افغانستان سے ہوتی ہوئیں برصغیر میں وارد ہوئیں...... یہاں جوگ اور سنیاس سے دو آتشہ ہو کر آستانوں اور درگاہوں میں ڈھل گئیں...... اولادِ اسماعیلؑ جو مکہ میں پھلی پھولی اور اپنے سیاسی اور مذہبی زور کی بناء پر آئندہ چل کر قریش کہلائی یہ بنیادی اور نسلی طور پر ملتِ ابراہیمیؑ کا جزو تھی اور اپنے اپنے وقت میں یہی مسلم تھے، مگر بعد میں جب ان کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہوا تو انھی قریش نے بیت اللہ کو بتوں سے سجایا اور خود ان کے مجاور بن کر بیٹھ گئے اور وہ بت جو پیکرِ محسوس کے قالب میں وہاں رکھے گئے تھے دراصل ان صلحاء کے تھے جو ان کے اجداد میں گزرے تھے۔

اگر یہ فکر درست ہوتی کہ اللہ اپنے نیک اور صالح بندوں میں اختیارات بانٹ دیتا ہے اور ان کو پکارنا اور ان سے استمداد کرنا دراصل اللہ ہی کو پکارنا اور اسی سے مدد طلب کرنا ہے تو قریشِ مکہ کی وہ ساری محفل کیوں اکھاڑ کر رکھ دی گئی جو اس فکر پر مبنی تھی اور بیت اللہ میں گھر کیے ہوئے تھی؟ بت کیا تھے؟ بے جان مورتیں اور پتھر کے ٹکڑے! اب یہ نہیں ہوتا تھا کہ بتوں کے پجاری صرف خانہ کعبہ کے اندر ہی ان کو پوجتے اور ان کو سجدہ کرتے تھے...... بلکہ ہوتا یہ تھا کہ وہ پجاری جہاں کہیں مشکل میں گرفتار ہوتے تو ان کو پکارتے، ان کے نام کی منت مانتے اور انھیں حاضر و ناظر خیال کرتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ برگزیدہ بندے اس جہاں میں اپنے اپنے زہد و تقویٰ کے ذریعے بڑی کمائی کر گئے ہوئے ہیں۔ یہ بڑی کرنی والے ہیں، خدا ان کی موڑتا نہیں وہ اپنی پیداواروں میں سے ایک حصہ خدا کا اور ایک ان کا نکالتے تھے۔ وہ حج کے موقع پر تلبیہ اللہ تعالیٰ کا پڑھتے تھے اور پھر ان کا اور ان کی طاقت کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت ہی مانتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس ساری فکر سے جنگ لڑی اور کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے چھوڑا۔ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ ملتِ ابراہیمیؑ میں پھر وہی فکر عود کر آئی...... فرق صرف یہ پڑا کہ بزرگوں کے بتوں کی جگہ ان کی قبور نے لے لی اور وہی آرزوئیں، منتیں اور چڑھاوے...... ان پر پیش ہونے لگے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توسل جسے عام زبان میں طفیل، جاہ، حق، صدقے اور وسیلے کہا جاتا ہے، اسکے بغیر دعا، کا کوئی تصور ہی نہیں رہا ہے۔ حالانکہ تمام قرآنی اور مسنون دعاؤں کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے کہ "ربنا، اللھم، رب، یا حي یاقیوم، یاارحم الراحمین، یامجیب الدعوات، یاغیاث المستغیثین" جیسے کلمات سے شروع ہوتی ہیں، جو سب بلا توسل براہ راست اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا طریقہ بتلاتی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا بارانِ رحمت کی دعاء کے لئے عمِ پیغمبرؐ حضرت عباسؓ کو اپنے ساتھ لے جانا بے شک درست ہے اور انہیں اویس قرنیؒ سے دعا کرانے کی بھی تلقین کی گئی تھی۔ لیکن ان دونوں واقعات کی تفصیل جو کتبِ حدیث میں مذکور ہے اس سے زیادہ سے زیادہ یہی نکلتا ہے کہ ہمیں نیک لوگوں سے اپنے حق میں دعاء کرانے کی اجازت ہے لیکن اس سے صدقے اور طفیل کے ذریعے دعاء کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ غار کے دہانے پر پتھر آجانے، تین بندوں کے غار میں بند ہو جانے اور اپنے اپنے نیک اعمال کے حوالے سے دعاء کرنا یہی سبق دیتا ہے کہ دعاء براہِ راست اللہ ہی سے مانگنا چاہیے اور اس کے ترحم کو اپنے حق میں موجزن کرنے کے لئے اپنی کی ہوئی نیکیوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جنھوں نے محنتیں کی ہوتی ہیں اور جو اس کے پیارے ہوتے ہیں...... اللہ تعالیٰ ان کی نہیں موڑتا، ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق ایسا گمان رکھنا ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو اپنے زہد و تقویٰ کے باعث اللہ تعالیٰ کی محبوب ہو جاتی ہیں اور وہ ان کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مجذوب کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ موسیٰؑ نے اپنے جسم کا گوشت نہ دیا اور مجذوب نے اپنا گوشت دے دیا تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی دعا پر تو مذکورہ عورت کو اولاد نہ تھی اور مجذوب کی دعا پر دے دی تھی۔ یہ واقعہ نرا قصہ ہے، نہ اس کی سند نہ کوئی حوالہ...... مگر یہ جھوٹا قصہ تواتر سے سنایا جاتا ہے۔ ان عقل کے اندھوں کو یہ سوچنے کی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ یہ تقابل کر کے بارگاہِ الٰہی میں نبی کے مقابلہ میں ایک مجذوب کو زیادہ مستجاب الدعوات ٹھہرا رہے ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت کا یہ مسلم عقیدہ ہے کہ نبی کے ساتھ غیر نبی کا کچھ علاقہ نہیں بنتا ہے۔ یہ دونوں طبقے کے لحاظ سے مختلف ہیں، گو کہ نوع کے لحاظ سے بشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائیں۔ حدیث کی کتابوں میں دعا کو مستجاب اور مقبول کرانے کا باقاعدہ طریقہ مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو، پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھو، پھر خشوع و خضوع کے ساتھ طویل دعاء کرو۔ اس طریقہ میں کہیں طفیل، صدقہ یا وسیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ یہ سراسر ایجادِ بندہ ہے۔

یہ انسان کی اپنی کم ہمتی، کم ظرفی اور کم حوصلگی ہے کہ وہ اس ذاتِ پاک کو نہیں پکارتا جو اس لئے ہمیشہ بیدار ہے کہ کب اس کا بندہ اسے پکارے اور وہ جواب دے۔ وہ ذات بندے کی ذات سے بھی قریب تر ہے۔ وہ خزانوں کا مالک ہے۔ وہ بلا، قحط، مرض اور رنج و الم لگاتا ہے اور وہی ان کا کاشف ہے۔ مگر وہ کسی کا پابند نہیں ہے کوئی محبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی عبادت کوئی نیکی اسکی مجبوری نہیں بن سکتی۔ مجبوری، کمزوری ہوتی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ سے کمزوری منسوب کرنا حد درجہ بے ادبی اور غارت گر ایمان ہے۔

قرآنی اور منسون دعاؤں میں دعا کا ایک ہی طریقہ تجویز کیا گیا کہ براہِ راست اللہ کو پکاریں اور اسکی بارگاہِ اقدس میں اپنی حاجات پیش کریں۔ پہلے اسکی حمد و ثنا کریں اسکے دربارِ عالی وقار میں عاجزی اور انکساری کا ہدیہ پیش کریں پھر نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر درود ابراہیمی بھیجیں۔ دعاء طویل کریں۔ سائل بن کر ہاتھ پھیلائے اس کے سامنے بیٹھے رہیں۔ روئیں گڑگڑائیں اور آخر میں پھر حضور اقدس ﷺ پر درود پڑھیں۔

دعاء اس یقین کے ساتھ کریں کہ یہ ضرور مستجاب ہو گی۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی اہلِ علم یہ پوچھ لے کہ "ربنا، رب، اللھم" تو ہوئے مگر کوئی حکم براہ راست، بے طفیل، بے صدقہ اور وسیلہ اپنے رب کو پکارنے کا قرآن مجید میں بتایا جائے تاکہ ہمارے موقف کو تقویت حاصل ہو لیجیئے! قرآنِ مجید کا حکم سن لیجئے "اپنے رب کو آہ زاری کے ساتھ اور خفیہ پکارو" اگر طفیل وسیلے یا صدقے کا کوئی مقام دعاء کے قرینے میں ہوتا تو وہ کم از کم قرآن مجید اور حدیث شریف کے وسیع سمندر میں کہیں نہ کہیں سامنے آجاتا۔

بقیہ : مقام حدیث......

ترجمہ : "ہم نے آپ کو "سبع مثانی" عطا کیں اور قرآنِ عظیم دیا"۔

یہ "سبع مثانی" کیا چیز ہے ؟ حدیث نے بتایا کہ "سبع مثانی" سورۃ فاتحہ ہے۔ (بخاری و مسلم عن ابی ہریرۃؓ)

قرآن مجید میں ہے ﴿عبس وتولىٰ ٥ ان جاء ه الأ عمىٰ﴾ (عبس : ۱/۲)

ترجمہ : "پیغمبر ﷺ چیں بجبیں ہو گئے اور منہ موڑ لیا اس بات پر کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص آیا"۔

کیا قرآن مجید سے اس کی وضاحت ہو سکتی ہے کہ نابینا شخص کون تھا ؟ اور جن لوگوں سے آپ ﷺ مصروفِ گفتگو تھے، جن کا اگلی آیات میں تذکرہ ہے، وہ کون لوگ تھے ؟ یہ بات حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ سردارانِ قریش سے مصروفِ گفتگو تھے اور امید بندھ رہی تھی کہ شاید اسلام کی بات ان کے دل میں اتر جائے...... اتنے میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آپؐ کے پاس آئے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے۔

(تفسیر ابن کثیر : ۴/۴۷۰)

حدیث ہی ایک ذریعہ ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور حیاتِ طیبہ اور اخلاق و عاداتِ مبارکہ وہ آپؐ کے اقوال و افعال اور آپؐ کے احکام وارشادات ہم تک پہنچے......اسلئے اگر یہ کہا جائے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم (حدیث) کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے تو اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com